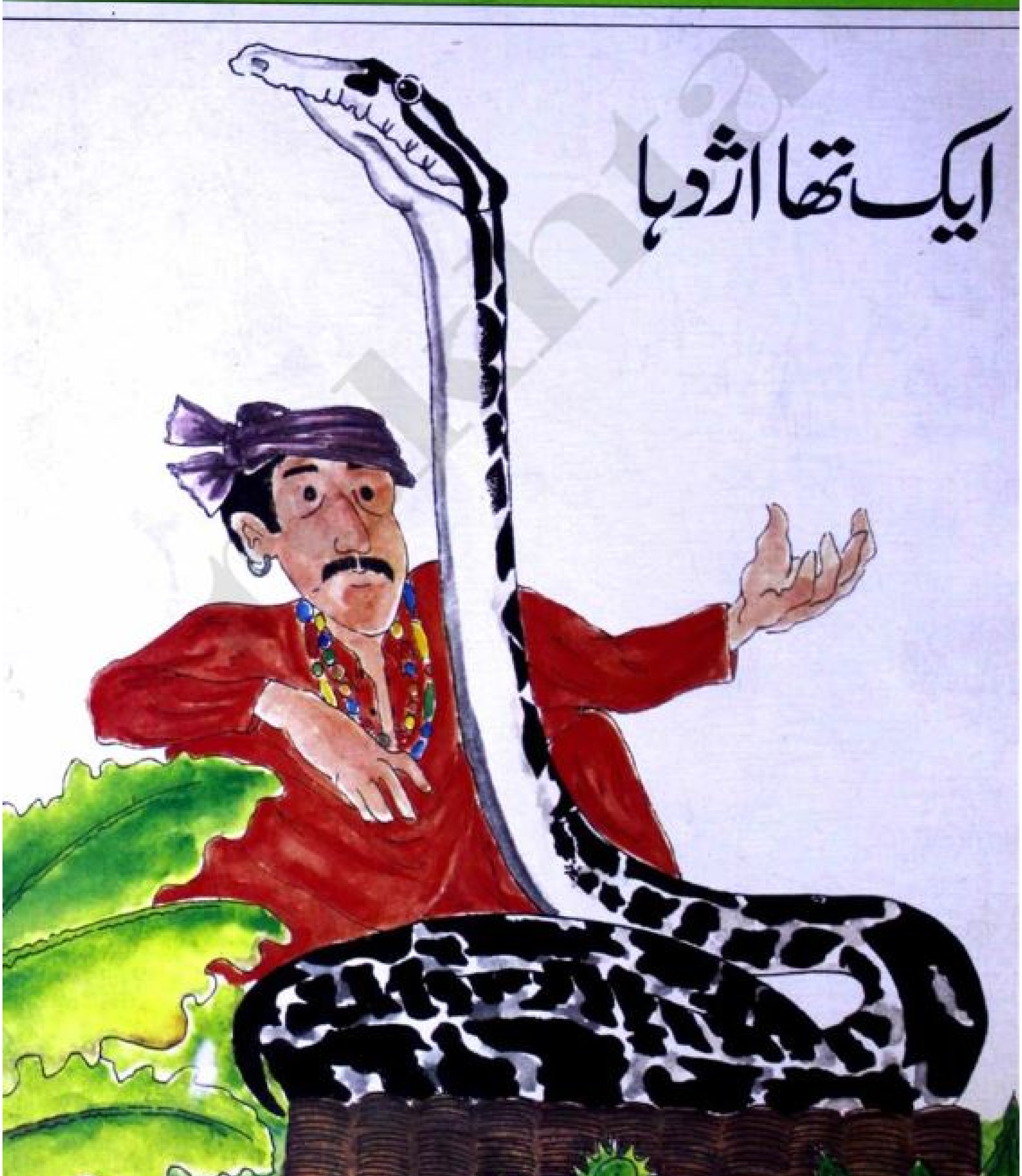
اضافی
کتاب

اوکسفرڈ اردو سلسلہ

۵
پانچویں جماعت کے لیے

ایک تھا اژدہا



ایک تھا اژدہا

تحریر : رسکن بونڈ

ترجمہ : فہمیدہ ریاض

۱۹۹۸ء
اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس
کراچی لاہور اسلام آباد

اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس والٹن اسٹریٹ، اوکسفرڈ OX2 6DP
اوکسفرڈ، نیویارک، ایتھنز، اوکلینڈ،
بینگ کوک، بمبئی، کلکتہ، کیپ ٹاؤن، دارالسلام،
دہلی، فلورنس، ہونگ کونگ، استنبول،
کراچی، کوالالمپور، مدراس، میڈرڈ، میلبرن،
میکسیکوسٹی، نیروبی، پیرس، سنگاپور،
تیپی، ٹوکیو، ٹورونٹو

معاون دفاتر

برلن، ابادان

Oxford اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس کا ٹریڈ مارک ہے

انگریزی ایڈیشن۔ رسکن بونڈ۔ نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا
اردو ایڈیشن۔ اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس پاکستان
(باجازت۔ نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا) ۱۹۹۷ء
تصاویر: تکی پاٹل

ISBN 019 5777670

مطبوعہ: مطبع، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی
ناشر: امینہ سیّد، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس
۵۔ بنگلور ٹاؤن، شارع فیصل
پی او بکس ۱۳۰۳۳۔ کراچی ۷۵۳۵۰

ایک تھا اژدہا

دادا جان ریلوے کی نوکری سے ریٹائر ہونے کے بعد ایبٹ آباد میں رہنے لگے تھے۔ اپنا دل بہلانے کے لئے (اور ہمارا بھی) انہوں نے کچھ جانور پال رکھے تھے۔ ایک دن انہوں نے بیس روپے میں ایک سپیرے سے ایک کم عمر اژدہا خریدا اور بڑی بےفکری سے اسے کندھے پر لاد کر گھر کی طرف چل کھڑے ہوئے۔

اس وقت میں بھی دادا جان کے ساتھ تھا۔ دادا جان کو ایبٹ آباد میں سب لوگ جانتے تھے۔ راستے میں کئی لوگوں نے ادب سے انہیں سلام کیا جیسے انہیں دادا جان کی گردن میں ہار کی طرح جھولتا اژدہا نظر ہی نہیں آرہا ہو۔ انہیں بھی دادا جان کو عجیب وغریب پالتو جانوروں کے ساتھ دیکھنے کی عادت ہوگئی تھی۔



سب سے پہلے گھر میں ہمیں بندر نے دیکھا جس کا نام ٹوٹو تھا۔ ٹوٹو اس وقت بادام کے پیڑ کی ایک شاخ پر جھول رہا تھا۔ جیسے ہی اس کی نظر اژدھے پر پڑی جو بندروں کا دشمن ہوتا ہے، وہ چیختا چلاتا دم دبا کر گھر کے اندر بھاگ گیا۔ پھر ہمیں ہمارے جہازی طوطے پی چو نے دیکھا جو برآمدے میں بیٹھتا تھا۔ اژدہے کو دیکھتے ہی پی چو نے بری طرح چیخنا اور سیٹیاں مارنا شروع کردیں۔ پی چو ریل گاڑی کے انجن کی طری سیٹیاں مارتا تھا۔ پہلے ہمارا گھر ہمیشہ سے ریلوے اسٹیشنوں کے پاس ہوا کرتا تھا۔ پی چو نے وہیں سے انجن کی سیٹی کی نقل کرنا سیکھ لی تھی۔

یہ شور سن کر دادی جان برآمدے میں آئیں اور دادا جان کے گلے میں اژدہا لپٹا دیکھ کر آدھی بےہوش ہوگئیں۔

دادی جان ویسے تو دادا جان کے پالتو جانوروں کو برداشت کرلیتی تھیں لیکن سانپوں کو تو وہ ہرگز اپنے گھر میں رکھنے پر راضی نہیں ہوسکتی تھیں۔

"اے ہے! تمہارا گلا گھونٹ کر مار ڈالے گا!"

وہ چلائیں۔

"ارے نہیں بھئی!" دادا جان نے کہا۔

"یہ تو ابھی بہت کم عمر ہے"۔

میں نے بھی دادا جان کی مدد کرنے کے لئے کہا۔

"دادی، دادی یہ ہم سے ہل جائے گا"۔

"مگر میں تو نہیں ہلوں گی نا اس سے"۔ دادی جان نے سختی سے مجھے ڈانٹ پلائی۔

"تمہاری آنٹی روبی آنے والی ہے۔ اگر اسے معلوم ہوگیا کہ گھر میں سانپ ہے تو وہ ایک دن بھی نہیں ٹھہرے گی"۔

"تب تو ہم اس کے پہنچتے ہی اس کی ملاقات اس اژدہے سے کرادیں گے"۔
دادا نے کہا۔ وہ روبی خالہ کو کوئی خاص پسند نہیں کرتے تھے۔
دادی جان بولیں۔
"فوراً ہی منحوس کو دفع کرو"۔
"اوہو!" دادا جان نے کہا۔ "اب میں اسے باغیچے میں تو نہیں چھوڑ سکتا"۔
"مرغیوں کے ڈربے میں گھس گیا تو صفایا کردے گا"۔
"کم بخت کو غسل خانے میں بند کردو"۔ دادی نے کہا۔
"ابھی واپس جاکر اسی سپیرے کو بلا کر لاؤ جس سے یہ خریدا تھا۔ ہم دس بیس روپے اسے اوپر سے دے دیں گے مگر وہ اس بلا کو فوراً واپس لے جائے"۔





دادا جان مجھے ساتھ لئے اژدہے کو غسل خانے میں بند کرنے پہنچے۔

اژدہے کو انہوں نے ایک پرانے تسلے میں ڈال دیا اور دروازہ بند کر کے ہم دونوں باہر آگئے۔ دادا جان کچھ بجھے بجھے سے تھے مگر پھر وہ کہنے لگے۔

"تمہاری دادی شاید ٹھیک ہی کہتی ہیں۔ روبی کی تو خیر مجھے فکر نہیں لیکن یہ کہیں مرغیوں یا ہمارے پی چو کو نہ کھا جائے"۔

سپیرے کی تلاش میں ہم بھاگم بھاگ بازار پہنچے۔ لیکن وہاں پہنچتے ہی ہمیں کئی دوسرے سپیروں نے گھیر لیا۔ انہوں نے بازار میں ہی سن لیا تھا کہ دادا جان نے ایک سپیرے سے اژدہا خریدا ہے۔ وہ سب دادا جان کے ہاتھ بیچنے کے لئے طرح طرح کے چھوٹے بڑے سانپ لئے ان کی طرف دوڑ پڑے۔



"نہیں ! نہیں ! !" دادا جان نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ "ہم اور سانپ نہیں خریدنا چاہتے۔ ہم تو اژدہے کو واپس کرنے آئے ہیں"۔ مگر سپیرے ان کی بات کہاں سننے والے تھے۔ وہ مستقل دادا جان سے سانپوں کا سستا سودا کرنے پر اصرار کرتے رہے۔ ان سے پیچھا چھڑانے کے لئے ہم وہاں سے سرپٹ واپس بھاگے۔ سپیرے ہمارے پیچھے پیچھے آوازیں دیتے آرہے تھے۔ ان سے بچتے بچاتے، کئی گلیوں میں گھس کر، ایک دیوار پھاند کر بڑی مشکل سے ہم گھر پہنچے۔

دادی جان ہماری صورت دیکھ کر ہی سمجھ گئیں کہ ہم ناکام لوٹے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ "اچھا تو پھر اب تم خود ہی اسے کہیں دور جا کر چھوڑ آؤ کہ یہ پھر واپس نہ آسکے"۔

ہم دونوں غسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اژدہا غائب ہے۔

"اژدہا کہیں چلا گیا"۔ دادا جان نے اعلان کیا۔

"ہم نے روشن دان جو کھلا چھوڑ دیا تھا"۔ میں نے کہا۔

"جان بوجھ کر کھلا رہنے دیا ہوگا"۔ دادی جان نے جل بھن کر کہا۔ "اب جاؤ اور فوراً اسے ڈھونڈو۔ وہ دور تو نہیں گیا ہوگا"۔

اژدہے کی تلاش میں ہم نے گھر کا اور باغیچے کا کونہ کونہ چھان مارا مگر وہ نہ ملنا تھا اور نہ ملا۔

دادا جان نے خوش ہو کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے وہ دیوار سے رینگ کر باغ سے باہر چلا گیا۔ اب تک تو بہت دور نکل گیا ہوگا"۔

اژدہا ہمیں دوبارہ نظر نہیں آیا اور جب روبی آنٹی ڈھیروں سامان سمیت ہمارے گھر پہنچیں (جس سے پتہ چلتا تھا کہ ان کا بہت دنوں تک رہنے کا ارادہ ہے) تو صرف طوطے نے کان پھاڑ دینے والی سیٹیاں مار مار کر ان کا استقبال کیا۔



روبی آنٹی کو ٹوٹو اور پی چو کو برداشت کرنا پڑا۔ ٹوٹو بندر ان کا منہ چڑاتا تھا اور پی چو انہیں دیکھتے ہی ایسی زور دار سیٹیاں مارتا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے۔ مگر یہ تو ہمارے پرانے پالتو جانور تھے اور روبی آنٹی کو ان کی عادت تھی۔

پھر ایک شام باغیچے سے ہمیں ایک زور دار چیخ سنائی دی۔

فوراً ہی روبی آنٹی دوڑتی ہوئی برآمدے میں پہنچیں۔ ان کی سانس بری طرح پھول رہی تھی۔

"خوبانی کے پیڑ پر ..." انہوں نے بڑی مشکل سے کہا۔ "میں خوبانی توڑنے لگی تو ... وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔ افوہ! کیسے گھور رہا تھا ... جیسے مجھے کچا ہی چبا جائے گا"۔

"اے ہے! بچی۔ اوسان درست کرو"۔

دادی جان نے ان پر گلاب کا پانی چھڑکتے ہوئے کہا۔ "اب بتاؤ تمہیں کیا نظر آگیا؟"

"سانپ!" روبی آنٹی نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔



پھر ایک شام باغیچے سے ہمیں ایک زور دار چیخ سنائی دی۔

فوراً ہی روبی آنٹی دوڑتی ہوئی برآمدے میں پہنچیں۔ ان کی سانس بری طرح پھول رہی تھی۔

"خوبانی کے پیڑ پر ..." انہوں نے بڑی مشکل سے کہا۔ "میں خوبانی توڑنے لگی تو ... وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔ افوہ! کیسے گھور رہا تھا ... جیسے مجھے کچا ہی چبا جائے گا"۔

"اے ہے ! بچی۔ اوسان درست کرو"۔

دادی جان نے ان پر گلاب کا پانی چھڑکتے ہوئے کہا۔ "اب بتاؤ تمہیں کیا نظر آگیا؟"

"سانپ !" روبی آنٹی نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔



"بہت بڑا سانپ ! پورا اژدہا تھا ... خوبانی کے پیڑ میں ... اس کی آنکھیں اتنی خوفناک تھیں! اور وہ مجھے عجیب طرح دیکھ رہا تھا"۔

"شاید تمہیں خوبانی پیش کر رہا ہو"۔

دادا جان نے منہ پھیر کر مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔ انہوں نے کن انکھیوں سے مجھے دیکھا۔ میں فوراً باغ کی طرف چل پڑا۔ لیکن ہمارا اژدہا خوبانی کے پیڑ سے کہیں اور جاچکا تھا۔ میں نے واپس آکر دادا جان سے کہا۔

"وہ روبی آنٹی سے ڈر گیا ہوگا"۔

دادا نے کہا۔

"واقعی۔ بڑی ڈراؤنی چیخ ماری تھی۔ لیکن وہ واپس لوٹے گا۔ میرے خیال میں اسے تمہاری روبی آنٹی پسند آگئی ہیں"۔

اور اژدہا واقعی چند دنوں میں جگہ جگہ نظر آنے لگا۔ ایک صبح میں کیا دیکھتا ہوں کہ اژدہا سنگار میز پر کنڈلی مارے بیٹھا ہے اور آئینہ میں اپنا عکس دیکھ رہا ہے۔ میں بھاگا بھاگا دادا جان کے پاس پہنچا لیکن جب تک وہ آئے اژدہا غائب ہوچکا تھا۔

ایک دن وہ پھر نظر آیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ چھت والی لوہے کی سیڑھی پر چڑھ رہا ہے۔ میں اس کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر آگیا۔ یہاں وہ پرنالے میں گھس کر غائب ہوگیا۔ تھوڑی دیر تک اس کی دم نظر آتی رہی اور بس پھر غائب!!

میں نے دادا جان کو بتایا۔

"میرے خیال میں وہ پرنالے میں رہنے لگا ہے"۔

"لیکن وہاں کھاتا کیا ہوگیا؟" دادا جان نے پوچھا۔

"چوہے کھاتا ہوگا دادا جان"۔ میں نے کہا۔ "یاد نہیں ہمیں جنگلی چوہے کتنا تنگ کرتے تھے؟ وہ بھی پرنالے میں رہتے تھے"۔



"ہوں ... !" دادی جان سوچ میں پڑ گئیں۔

"سانپوں کے بھی فائدے تو ہوتے ہیں۔ چلو ٹھیک ہے! مگر بھئی یہ چھت پر ہی رہے اور چوہے کھائے۔ میری مرغیوں کی طرف نہ آئے"۔

مگر اژدہا صرف چھت پر ٹکنے والا بھلا کہاں تھا۔ ایک دن دل ہلا دینے والی چیخیں سن کر ہم سب روبی آنٹی کے کمرے کی طرف دوڑے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اژدہا روبی آنٹی کی سنگھار میز پر بیٹھا ہے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے آئینہ میں اپنا عکس دیکھ کر لطف لے رہا ہو۔

"افوہ !" دادا جان نے کہا۔ "یہ تو اپنی شکل پر فدا ہوگیا ہے۔ جب دیکھو آئینے کے سامنے بیٹھا ملتا ہے"۔ دادا جان نے اژدہے کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھایا تو روبی آنٹی نے اور بھی چیخیں ماریں۔ دادا جان نے کہا۔ "ارے بھئی روبی! ذرا اسے ہاتھ میں لو۔ یہ تو تمہیں بہت پسند کرتا ہے"۔

روبی آنٹی تیر کی طرح برآمدے کی طرف دوڑ گئیں۔ انہیں دیکھ کر پی چو نے بے تحاشہ زور زور سے ایسی سیٹیاں ماریں کہ بوکھلا کر وہ الٹے پاؤں واپس بھاگیں۔



بیچاری روبی آنٹی! انھوں نے فوراً اپنا سامان باندھا اور واپس لاہور چلی گئیں جہاں وہ ایک اسکول میں استانی تھیں۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے گھر کے مقابلے میں وہ اپنے اسکول میں زیادہ محفوظ ہیں۔

میں نے دادا جان کو اژدہے کو آرام سے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھاتے دیکھا اور میرا بھی بڑا دل چاہتا تھا کہ اسے ہاتھ میں پکڑ کر دیکھوں۔ ایک بار جب میں نے اژدہے کو کوٹھے کی سیڑھی چڑھتے دیکھا تو میں اس کے ساتھ ساتھ سیڑھی پر چڑھنے لگا۔ یہ دیکھ کر اژدہا رک گیا۔ اس پر میں بھی رک گیا۔ میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ رینگ کر میرے بازو پر آگیا اور کندھے تک چڑھ آیا۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ میری گردن سے لپٹے اس لئے میں نے اس کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور اسے نیچے باغیچے میں لے آیا۔ اژدہا آرام سے چلا آیا۔



اژدہے کا بدن ٹھنڈا ٹھنڈا اور پھسلنا سا تھا۔ پہلے تو اسے پکڑ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے لیکن ذرا سی دیر میں، میں ٹھیک ٹھاک ہوگیا۔ شاید میں نے اژدہے کو ٹھیک طرح سے ہاتھوں میں لیا تھا اور میں اسے پسند آیا تھا کیوں کہ جب میں نے اژدہے کو زمین پر رکھا تو وہ رینگ کر میری ٹانگ پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔اس وقت مجھے دوسرا کوئی کام تھا اس لئے میں نے اژدہے کو باغیچے میں پڑی ایک ٹوکری میں ڈال دیا۔ اژدہا ٹوکری میں پڑا چپ چاپ گول گول آنکھوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ خدا جانے وہ کیا سوچ رہا تھا۔ میں نے سوچا۔

"کیا اژدہے کچھ سوچتے ہوں گے !!!"

میں سائیکل کی سواری کرنے چلا گیا۔



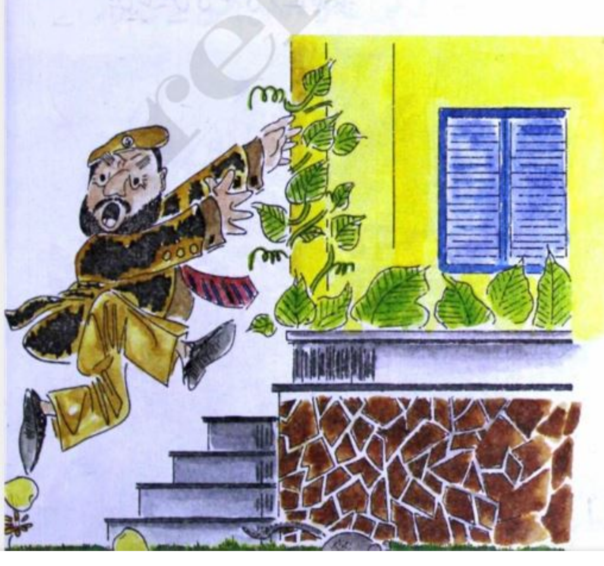
واپس آیا تو دیکھا دادی جان پکی پکی زرد رسیلی خوبانیاں توڑ رہی ہیں اور ٹوکری میں ڈالتی جا رہی ہیں۔ میں نے سوچا اژدہا کہیں چلا گیا ہوگا۔

جب ٹوکری بھر گئی تو دادی جان نے مجھ سے کہا۔ "یہ میجر ملک صاحب کے گھر لے جاؤ۔ آج ان کی سالگرہ ہے۔ اچانک تحفہ ملے گا بہت حیران ہوں گے"۔

ٹوکری کو سائیکل کے کیرئیر پر رکھ کر میں پیڈل مارتا سڑک کے کنارے میجر ملک کے گھر جا پہنچا۔ میجر صاحب اپنے دروازے پر ہی مل گئے۔

"آ ہاہا!!" میجر صاحب مونچھوں میں مسکرائے۔

"تمہاری پیاری دادی جان نے اس بار کیا تحفہ بھیجا ہے برخوردار!!"



"وہ کہہ رہی تھیں کہ اچانک ملے گا تو بہت حیران ہوں گے"۔ یہ کہہ کر میں نے ٹوکری ان کے سامنے رکھ دی۔

عین اسی وقت خوبانیوں کے نیچے دبکے ہوئے اژدہے نے سر نکالا اور فوراً کئی فٹ سیدھا کھڑا ہوگیا۔ بھری ہوئی ٹوکری سے بیسیوں خوبانیاں اچھل کر باہر نکل پڑیں۔ میجر صاحب زور سے اچھلے اور ایک خوفناک چیخ کے ساتھ گھر کے اندر دوڑ گئے۔

میں نے اژدہے کو واپس ٹوکری میں ٹھونسا، ٹوکری کو سائیکل پر رکھا اور اتنی تیزی سے واپس پلٹا کہ اپنی پھرتی پر خود حیران رہ گیا۔ بڑی خیریت گزری



کیوں کہ گیٹ سے نکلتے ہوئے میری نظر پیچھے پڑی تو میں نے دیکھا کہ میجر صاحب دو نالی بندوق لئے دوڑے چلے آرہے ہیں۔

گھر پہنچنے پر دادی جان نے پوچھا۔

"بیٹا خوبانیاں پہنچا دیں؟"

"جی ہاں۔ پہنچائی تھیں"۔ میں نے بالکل سچ بتایا۔

"وہ بہت خوش ہوئے ہوں گے؟" دادی جان نے پوچھا۔

"وہ آپ کو شکریے کا خط لکھیں گے"۔

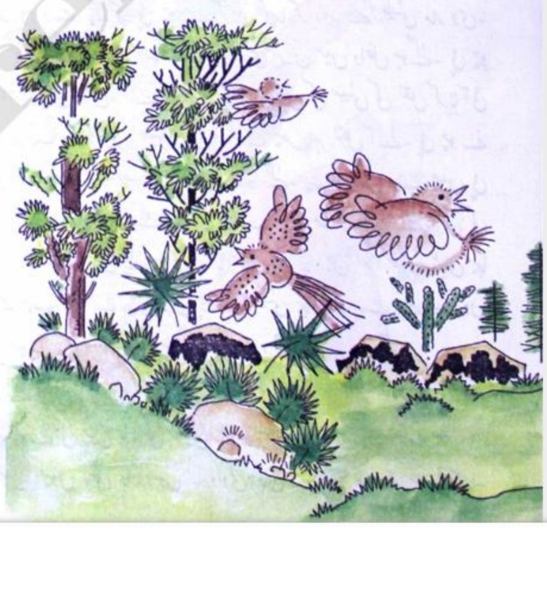
میجر صاحب نے واقعی خط بھیجا۔ لکھا تھا:



"حیران کرنے والے تحفے کا شکریہ۔ ظاہر ہے کہ آپ کو کیا پتہ کہ میرے ڈاکٹر نے مجھے اچانک صدمے سے دور رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ میرا بلڈ پریشر بہت زیادہ رہنے لگا ہے۔ آپ کے پیارے پوتے کو دیکھ کر اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ خیر اصل بات تو یہ ہے کہ آپ کے دل میں یہ اچھا خیال آیا اور میں بھی اسے ہنسی خوشی قبول کرتا ہوں"۔

"بڑا عجیب خط ہے"۔ دادی جان نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے بےچارے کی طبعیت بہت خراب ہے۔ کیوں بھئی، کیا خوبانیاں بلڈ پریشر میں نقصان دیتی ہیں؟"



دادا جان جو اصل بات جانتے تھے، چپکے سے مسکرا کر بولے۔

"صرف خوبانیاں تو نہیں، لیکن کچھ اور چیزوں کے ساتھ مل کر خوبانیاں بلڈ پریشر بڑھاسکتی ہیں"۔

چند ہی دنوں بعد معلوم ہوا کہ ہمیں کچھ عرصے کے لئے لاہور جانا ہے۔

لاہور ایبٹ آباد سے بہت دور ہے اور وہاں ہمیں روبی آنٹی کے گھر ٹھہرنا تھا۔ ظاہر ہے کہ ہم وہاں نہ اپنا پیارا بندر ٹوٹو لے جاسکتے تھے نہ پالتو اژدہا۔

ہاں مٹھو میاں پی چو کے بارے میں دادی جان نے کہا کہ اسے اکیلا نہیں چھوڑا جاسکتا ورنہ وہ بھوکا رہے گا اس لئے اسے تو ساتھ لے جانا ہی پڑے گا۔

ریلوے اسٹیشن پر ہم اپنے سامان اور پی چو سمیت پہنچے۔ ابھی ہم اپنی سیٹوں پر بیٹھ ہی رہے تھے کہ پی چو نے گردن گھما کر زور سے سیٹی مار دی۔ پلیٹ فارم پر ہلچل مچ گئی۔ سب مسافر جلدی جلدی ٹرین میں داخل ہوگئے۔ پی چو نے گارڈ والی سیٹی ماری تھی۔ اسے انجن اور گارڈ، دونوں کی سیٹی کی نقل کرنا آتی تھی۔ تھوڑی دیر تک جب ریل نہیں چلی تو لوگ پھر باہر نکل آئے۔ پی چو نے پھر سیٹی ماری اور لوگ پھر گھبرا کر ریل پر چڑھ گئے۔ پندرہ بیس منٹ میں پی چو نے اتنی سیٹیاں ماریں کہ پلیٹ فارم پر کھڑے تمام مسافر بوکھلا گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ریل چلنے والی ہے یا نہیں اور یہ انجن کھڑا کھڑا سیٹیاں بجا رہا ہے۔ اس لئے جب گارڈ نے سچ مچ ریل چلنے کی سیٹی بجائی تو بہت سے مسافروں نے کوئی دھیان نہیں دیا۔ ریل چل پڑی اور وہ پلیٹ فارم پر ہی رہ گئے۔

دادا جان نے دادی جان سے کہا۔

"تم اپنے طوطے کی چونچ پر پٹی نہیں باندھ سکتیں؟"

"واہ! میں کیوں پٹی باندھوں"۔ دادی جان نے برا مناتے ہوئے کہا۔

"میں نے اس کا پورا ٹکٹ خریدا ہے۔ کوئی مفت میں سفر تھوڑا ہی کر رہا ہے"۔

ہر اسٹیشن پر پی چو ڈبے میں خوانچے والوں کے جھانکنے اور آوازیں لگانے پر ناراض ہوجاتا۔ سفر ختم ہونے تک وہ دو خوانچے والوں کی انگلیاں، ایک کی ناک اور ایک ٹکٹ چیکر کے کان کاٹ چکا تھا۔



ہمارا سفر لمبا تھا۔ رات ہوئی تو دادی جان کمبل اوڑھ کر برتھ پر لیٹ گئیں۔
انہوں نے کہا۔
"میں تو تھک گئی۔ اب میں سونا چاہتی ہوں"۔
میں نے کہا۔
"مجھے بھوک لگی ہے۔ کچھ کھانے کو نہیں ملے گا؟"
دادی جان نے کہا۔
"سیٹ کے نیچے ٹوکری میں ناشتہ دان رکھا ہے۔ پیٹ بھر کر کھا لو"۔
"اچھا دادی جان، ناشتے کے لئے کیا پکایا ہے؟" میں نے پوچھا۔
آلو کے پراٹھے ہیں، آملیٹ ہے اور تندوری مرغی بھی ہے"۔ دادی جان



نے کہا اور سو گئیں۔
تھوڑی دیر بعد میں نے سیٹ کے نیچے سے بید کی پکنک والی ٹوکری کھینچ کر نکالی۔
ڈھکن کھولا تو میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔
پکنک باسکٹ میں اژدہا کنڈلی مارے بڑے آرام سے لیٹا تھا۔ ناشتے کا تو پتہ بھی نہ تھا۔
"دادا جان!" میں نے کہا۔ "اس میں تو اژدہا لیٹا ہوا ہے۔ اور وہ ہمارا سارا ناشتہ بھی کھا گیا ہے"۔
"ارے نہیں بھئی"۔ دادا جان نے کہا۔
"اژدہے آملیٹ اور پراٹھے نہیں کھاتے۔ وہ تو زندہ چیزوں کا ناشتہ کرتے ہیں"۔



پھر انہوں نے ٹوکری دیکھ کر کہا۔ "اوہو! یہ تو پرانی پکنک باسکٹ ہے جو اسٹور روم میں پڑی تھی۔ ناشتے والی ٹوکری تو رہ گئی۔ سامان کس نے رکھوایا تھا۔

"میجر ملک نے ..." میں نے کہا۔

"اخاہ !" دادا جان ہنسے۔ "تو انہوں نے اپنا بدلہ لے لیا"۔ پھر دادا جان نے ٹوکری کا ڈھکنا بند کر کے مجھ سے کہا۔

"اپنی دادی کو مت دیکھنے دینا۔ وہ سمجھیں گی کہ ہم جان بوجھ کر اسے اپنے ساتھ لے آئے ہیں"۔

"مگر دادا جان، مجھے بھوک لگی ہے"۔ میں نے کہا۔



انہوں نے مجھے تسلی دی۔

"ذرا صبر کرو۔ اگلے اسٹیشن پر کچھ پکوڑے وغیرہ خریدتے ہیں۔ جب تک پی چو کے لئے جو ہری مرچیں لائے ہیں، وہ کیوں نہ کھائی جائیں؟"

"نہیں"۔ میں نے کہا۔ "میں نہیں کھاتا ہری مرچیں۔ آپ کھا لیجیے"۔

میرے دادا جان ہری مرچیں کھا سکتے تھے۔ وہ مزے سے ہری مرچیں چبانے لگے۔

آدھی رات کے بعد ڈبے میں شور مچ گیا۔ پی چو جاگ کر ناراضگی میں زور زور سے سیٹیاں مارنے لگا۔ میں اور دادا جان اٹھ کر دیکھنے گئے کہ ڈبے کے کونے میں لوگ کھڑے شور کیوں مچا رہے ہیں۔ غور سے سنا تو وہ چلا رہے تھے۔

"سانپ ! سانپ !!"



میں نے سیٹ کے نیچے ٹوکری کو دیکھا۔ اس کا ڈھکنا کھلا ہوا تھا۔

"اژدہا نکل گیا ہے"۔ میں نے چپکے سے دادا جان کو بتایا۔ وہ فوراً سونے کے کپڑوں میں ہی ڈبے کے سرے تک دوڑے۔

میں بھی ان کے پیچھے پیچھے دوڑا۔

ڈبے کے کنارے درجن بھر مسافر کھڑے چیخ رہے تھے۔

"کیا بات ہے؟" دادا جان نے بہت سکون سے پوچھا۔

"غسل خانے میں سانپ ہے۔" انہوں نے کہا۔

"میں دیکھتا ہوں"۔ دادا جان نے کہا۔

"میں سانپوں کو خوب جانتا ہوں"۔

مسافروں نے دادا جان کو راستہ دیا تو انہوں نے غسل خانے کا دروازہ کھولا۔ اژدہا وہاں نہیں تھا۔ غسل خانے کے روشندان سے نکل کر وہ اب کسی دوسرے ڈبے میں پہنچ چکا تھا۔

دادا جان نے غسل خانے سے نکل کر دوسرے مسافروں سے کہا۔

"آپ آرام سے اندر جاسکتے ہیں۔ وہ اب وہاں نہیں ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ معمولی سا کم عمر اژدہا تھا"۔

ہم اپنے کمپارٹمنٹ میں پہنچے تو دادی جان سیٹ پر بیٹھی ہوئیں تھیں۔

"مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ میری پیٹھ پیچھے تم لوگ ضرور کوئی حماقت کرو گے"۔ انہوں نے مایوسی سے سر ہلا کر کہا۔

دادا جان نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ ہم اژدہے کو نہیں لائے تھے یا تو وہ خود ہمارے ساتھ آگیا تھا یا میجر ملک نے اسے ہمارے ساتھ بھیج دیا تھا، مگر دادی جان کو بالکل یقین نہیں آیا۔

دادا جان نے کہا۔

"خیر اب تو وہ چلا گیا۔ کھڑکی سے نیچے گر گیا ہوگا۔ اب تم اسے کبھی نہیں دیکھو گی"۔

ابھی وہ یہ کہہ ہی رہے تھے کہ ٹرین کی رفتار اچانک کم ہوئی اور پھر ایک دھچکے سے ہماری ریل گاڑی رک گئی۔

دادا جان نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا اور بولے۔

"یہاں تو کوئی اسٹیشن نہیں۔ ریل گاڑی جنگل میں رکی کھڑی ہے"۔



ذرا سی دیر میں ایک آدمی دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر چیختا چلاتا ہمارے ڈبے کے سامنے سے گزرا۔

دادا جان نے کہا۔

"یہ تو انجن میں کوئلے ڈالنے والا لگ رہا ہے۔ چلو دیکھتے ہیں کیا معاملہ ہے"۔

ہم دونوں ڈبے سے اتر کر دوڑتے ہوئے انجن تک جاپہنچے۔ دادا جان نے پکار کر کہا۔

"بھئی میں کچھ مدد کروں؟ میں انجنوں کے بارے میں خوب جانتا ہوں"۔

لیکن انجن ڈرائیور تو جیسے گونگا ہوگیا تھا۔

ہم نے جھانک کر دیکھا تو پتہ چلا کہ کیا معاملہ ہے۔ ہمارا اژدہا ڈرائیور کی ٹانگ سے لپٹا ہوا تھا اور ڈرائیور پسینے میں شرابور تھر تھر کانپ رہا تھا۔



"اب یہ کام ہم پر چھوڑ دو"۔ دادا جان نے کہا اور اژدہے کو گھسیٹ کر ڈرائیور کی ٹانگ سے الگ کردیا۔ اژدہے کی پوٹلی بنا کر مجھے تھمائی اور بولے۔

اس انجن کو اب میں چلاتا ہوں۔ بڑی دیر ہوگئی ہے۔ کہیں گاڑی لیٹ نہ ہوجائے"۔

انجن کا ڈرائیور پیلا پڑا فرش پر بیٹھا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ دادا جان اس کی سیٹ پر بیٹھے اور انجن چلا دیا۔ ریل گاڑی ذرا سی دیر میں ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

میں نے کہا۔

"کوئلے ڈالنے والا تو نیچے ہی رہ گیا"۔



دادا جان نے کہا۔

"تو کوئلہ تم ڈال دینا"۔

اس بات پر میں بڑا خوش ہوا کہ دادا جان ریل گاڑی چلائیں گے اور میں انجن میں کوئلے ڈالوں گا۔ میں نے جھٹ اژدہے کو ڈرائیور کی گود میں بٹھایا اور انجن میں کوئلے ڈالنے لگا۔ اندھیرے میں ہماری ریل گاڑی سیٹیاں بجاتی، چمک دار چنگاریاں اڑاتی، چھک چھک کرتی بڑی تیزی سے چلی جارہی تھی۔

ڈرائیور نے چیخ کر کہا۔ "آپ بہت تیز چلا رہے ہیں"۔

دادا جان نے کہا۔ "ہم وقت پر پہنچنا چاہتے ہیں۔ گاڑی کو لیٹ نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ کوئلہ ڈالنے والا گیا کہاں؟"

"وہ گارڈ کے پاس گیا تھا"۔ ڈرائیور نے کہا۔ "اب وہ دونوں جنگل میں ہی رہ گئے ہیں"۔



دوسرے دن صبح صبح بھاپ اڑاتے ہوئے ہم لاہور کے اسٹیشن میں داخل ہوئے۔ یہاں کا اسٹیشن ماسٹر دادا جان کا پرانا دوست تھا اس لئے فکر کی کوئی بات نہیں تھی۔ ہم وقت سے بیس منٹ پہلے پہنچ گئے تھے۔ دادا جان انجن ڈرائیور اور اسٹیشن ماسٹر کے ساتھ چائے پینے چلے گئے۔ میں نے اژدہے کو واپس پکنک والی ٹوکری میں رکھ دیا اور سامان اتروانے میں دادی جان کی مدد کرنے لگا۔

ہمارا طوطا پی چو دادی جان کے کندھے پر بیٹھا اسٹیشن کے پلیٹ فارم کو شک بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ سب سے پہلے اسی نے روبی آنٹی کو آتے دیکھا اور زور کی سیٹی ماری۔

روبی آنٹی اچھے کھانوں کی بڑی شوقین تھیں۔ پکنک باسکٹ اٹھا کر کہنے لگیں۔



"یہ تو بڑی بھاری ہے۔ ناشتے میں سے میرے لئے تو آپ نے ضرور کچھ بچایا ہوگا۔ افوہ! خالہ جان۔ آپ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا اتنے دنوں بعد نصیب ہوگا۔ کیسا ذائقہ ہے آپ کے ہاتھ میں ... !"

وہ خوشی سے پھولی نہیں سمائیں اور باسکٹ خود اٹھا کر لے چلیں۔

میں نے چپکے سے ٹوکری کی طرف دیکھا۔ اس کا ڈھکنا ہل رہا تھا۔ میں نے مضبوطی سے اسے اچھی طرح بند کردیا تھا۔ لہذا اس کے اچانک کھلنے کا ڈر نہیں تھا۔ ہم سب ٹیکسی میں بیٹھ کر روبی آنٹی کے گھر پہنچے۔ روبی آنٹی نے ہمارے لئے میز پر ناشتہ لگا رکھا تھا۔ انہوں نے کہا۔

"بس معمولی دال دلیہ ہے۔ اصل لطف تو اب آئے گا"۔

یہ کہہ کر انہوں نے پکنک کی باسکٹ کھولی، اندر جھانکا اور فوراً بے ہوش ہوگئیں۔ دادا جان نے اژدہے کو اٹھایا اور باہر باغیچے میں لے گئے۔ وہاں انہوں نے اژدہے کو انار کے پیڑ کی ایک شاخ پر لپیٹ دیا اور واپس آگئے۔

روبی آنٹی کو ہوش آیا تو انہوں نے اصرار کیا کہ انہوں نے کھانے کی ٹوکری میں سانپ دیکھا تھا۔ ہم نے اپنی خالی ٹوکری دکھائی۔

دادا جان نے کہا۔

"تمہیں دھوکہ ہوا ہے۔ ٹوکری میں کچھ نہیں تھا اور تمہیں سانپ نظر آیا۔ معلوم ہوتا ہے پچھلے دنوں تم نے بہت محنت کی ہے اور اب تھک گئی ہو"۔

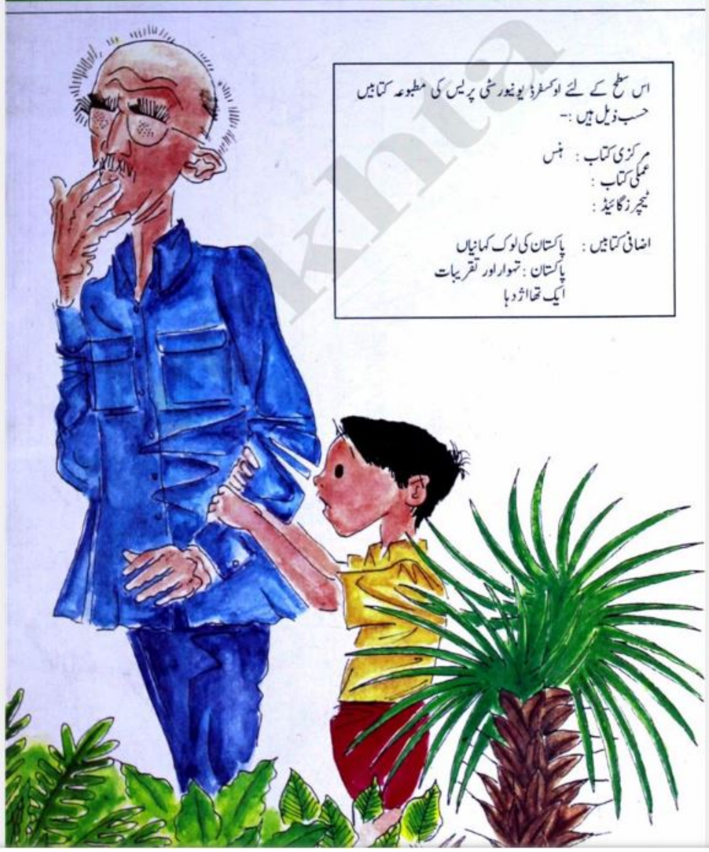
میں نے اضافہ کیا۔

"یوں بھی اسکول میں پڑھانا بے حد مشکل کام ہے"۔

دادا جان اس پر خاموش رہے، مگر پی چو نے بے تحاشہ ٹیں ٹیں کرنا اور سیٹیاں مارنی شروع کردیں۔ اور پھر کچھ بوکھلائی ہوئی روبی آنٹی سمیت ہم سب ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوگئے۔

* * * *

۵
پانچویں جماعت کے لئے



اس سطح کے لئے اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس کی مطبوعہ کتابیں حسب ذیل ہیں :-

مرکزی کتاب : ہنس
عملی کتاب :
ٹیچرز گائیڈ :

اضافی کتابیں : پاکستان کی لوک کہانیاں
پاکستان : تہوار اور تقریبات
ایک تھا اژدہا